13

اشاعتِ دین کے لیے اموال اور زندگیاں وقف کرنے کا مطالبہ

(فرمودہ 7/اپریل 1944ء)

تشہد، تعوّذ اور سورة فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"دنیا میں فوجیں حکومت کی طرف سے بھیجی جاتی ہیں ایک معیّن کام کے لیے اور ایک معیّن مقصود کے لیے۔ حملہ آور فوجوں کے افسروں سے کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں قلعہ پر تم نے قبضہ کرنا ہے یا فلاں خندق پر قبضہ کرنا ہے یا فلاں شہر کو لینا ہے یا فلاں پہاڑی یا فلاں گھاٹ پر تم نے جھنڈا اگاڑنا ہے۔ یہ آگے ان کی قسمت ہوتی ہے یا ان کی جدوجہد اور کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس کام میں تین باتوں میں سے ایک کو حاصل کر لیتے ہیں۔ یا اس جگہ کو فتح کر لیتے ہیں یا فتح کرنے کی کوشش میں مارے جاتے ہیں یا شکست کھا کر بھاگ جاتے ہیں۔ مگر بہر حال ان کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے، ایک معیّن مقصد یا ایک محدود غایت اور منزل۔ یا پھر قلعوں میں فوجیں بند ہوتی ہیں، چاروں طرف سے ان کا محاصرہ دشمن نے کیا ہوتا ہے، اُن کے افسروں کا حکم ان کو ملتا ہے کہ تم نے یہ محاصرہ توڑ کر باہر نکلنا ہے۔ اس جدوجہد میں بھی تین صورتیں ان

کے سامنے ہوتی ہیں۔ اُن کی قسمت یا بدقسمتی یا کوشش اور سستی ان کو ان میں سے کسی ایک جگہ پر پہنچا دیتی ہے اور ان کے ذہنوں میں یہ تینوں صورتیں مستحضر ہوتی ہیں۔ یا وہ محاصرہ کرنے والی فوج کو کاٹ کر باہر نکل جاتی ہیں یا باہر نکلنے کی کوشش میں ماری جاتی ہیں یا ہمت ہار کر ہتھیار ڈال دیتی ہیں۔ مگر وائے قسمت اُس فوج کی جس کو ایسے حملہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے جس کی کوئی تعیین نہیں، کوئی حدبندی نہیں۔ وہ نہیں جانتی کہ کس مقام پر اُس نے حملہ کرنا ہے۔ اور درحقیقت وہ اس کو جان سکتی ہی نہیں کیونکہ جن قلعوں پر حملہ کرنا اس کے سپرد کیا گیا ہے وہ زمین دوز ہیں۔ باہر ان کا کوئی نشان نہیں۔ بلکہ وہ انسانوں کے دلوں اور دماغوں میں ہیں۔ اس کو ان اندرونی سرنگوں کا کوئی علم نہیں جو مستقبل زمانہ کے لیے اندر ہی اندر کھو دی گئی ہیں۔ ہر زمانہ کا ایک خیال اور ہر زمانہ کی ایک قوم ہوتی ہے۔ کبھی چین کے لیے آگے بڑھنا مقدر ہوتا ہے اور کبھی جاپان کے لیے، کبھی عرب کے لیے آگے بڑھنا مقدر ہوتا ہے اور کبھی فلسطین کے لیے، کبھی مصر اور شام کے لیے مقدر ہوتا ہے، کبھی مغرب کے لیے آگے بڑھنا مقدر ہوتا ہے اور کبھی مشرق کے لیے مقدر ہوتا ہے اور وہی قوم مستقبل میں کامیابی کا منہ دیکھتی ہے جو اس قوم کو جس کے لیے آئندہ زمانہ میں آگے بڑھنا مقدر ہے اپنے ساتھ ملا لیتی ہے۔ جب دنیا میں انبیاء صرف ایک ہی قوم کی طرف آیا کرتے تھے اُن کا کام آسان ہوتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی کی قوم کو بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے ایک ہی مُنہ سے ساری دنیا کو مخاطب کرنا شروع کیا تب سے یہ بات مشتبہ ہوگئی کہ کونسی قوم ہے جس کا آگے بڑھنا مقدر ہے اور اس وجہ سے روحانی جماعتوں کا کام نہایت ہی مشکل ہو گیا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں یہ آسانی تھی کہ اُس زمانہ میں شریعت کے قیام کا سوال تھا اور شریعت لانے والے انبیاء کی زندگی میں ہی حکومت مل جایا کرتی ہے۔ ایک قوم تھی جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا پڑھایا اور پھر اسی کے ہاتھ میں حکومت آگئی اور اس نے اسلام کو پھیلایا۔ مگر جو کام ہمارے سپرد ہے وہ بہت ہی مشکل ہے۔ ہمیں کوئی علم نہیں کہ کونسی قوم ہے جس کا بڑھنا اس زمانہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے۔ احمدیت کا چھینٹا تو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میں دے دیا ہے۔ کوئی یہاں کوئی وہاں، کوئی اِس ملک سے

کوئی اُس ملک سے، کوئی اِس مذہب سے کوئی اُس مذہب سے احمدیت کو قبول کرتا جارہا ہے۔ مگر کوئی معیّن صورت ہمارے سامنے نہیں جس سے مستقبل کا اندازہ کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک جدید کے شروع میں مَیں نے کہا تھا کہ مکہ کا تو ہمیں علم ہو گیا اب ہمیں احمدیت کے مدینہ کی تلاش کرنا ہے۔ نادانوں نے میرے کلام کی عظمت کو نہ سمجھتے ہوئے شور مچا دیا اور کہا آؤ تمہیں بتا دیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور میں فوت ہوئے تھے اس لیے احمدیت کا مدینہ لاہور ہے۔ ان کے نزدیک مدینہ کی عظمت صرف اسی میں ہے کہ وہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہوئے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔

مدینہ کی اصلی عظمت اس میں ہے کہ اس نے دین کو لیا اور پھر تلواروں کے سایہ کے نیچے ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ تو جب مَیں نے مدینہ کہا تھا تو اس کے معنے یہ تھے کہ دنیا میں آئندہ چلنے والی رَو کا پتہ لگایا جائے اور معلوم کیا جائے کہ اِس زمانہ میں کس قوم کے لیے بڑھنا مقدر ہے اور دیکھا جائے کہ وہ مدینہ سرزمینِ ہند ہے یا کوئی اَور ملک۔ جس نے اس زمانہ میں نقطۂ مرکزیہ بننا ہے، جس نے احمدیت کے لشکر کو سمیٹنا اور پھر اسے آگے بڑھانا ہے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کسے یہ فخر حاصل ہو گا۔ بظاہر اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو چُنا ہے اِس لیے پہلا حق ہمارا ہے۔ لیکن اگر ہم خود سستی سے پلوٹھے ہونے کا حق کھو دیں تو یہ ہماری بدقسمتی ہو گی۔ جہاں تک اسلام کی ترقی کا سوال ہے۔ بلحاظ اس کے کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں ہمیں کوئی شکوہ نہیں کہ احمدیت کا جھنڈا دنیا کی بلندیوں پر، خواہ کوئی قوم گاڑ دے۔ مگر جہاں تک دینی جدوجہد کا سوال ہے اس بارہ میں باہم رشک کرنا جائز ہے۔ اس لیے ہم اگر یہ رشک کریں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک کو مکہ بننے کے لیے چُنا ہے مدینہ بھی یہی ہو اور اسلام و احمدیت کی فتوحات ہمارے ذریعہ سے ہوں۔ اور یہ کوئی بُری بات نہیں۔ ایسا خیال اور ایسی خواہش رکھتے ہوئے ہم اپنے چینی بھائیوں سے غداری نہیں کریں گے، جاپانیوں، روسیوں، فرانسیسیوں سے غداری نہیں کریں گے، سپینش بھائیوں سے غداری نہیں کریں گے کیونکہ یہ دین کی خدمت کا سوال ہے اور اس میں رقابت جائز ہے۔ اِسی طرح ان اقوام کے دل میں بھی یہی خواہش ہو کہ وہ بغیر کسی پر ظلم کیے اور کسی کو پیچھے ہٹائے احمدیت کا جھنڈا دنیا میں

گاڑنے والی ہوں تو ہمیں شکایت کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے قرب کے سوال میں بھائی بھائی کا مقابلہ کرنے اور اُس سے آگے بڑھنے میں حق بجانب ہوتا ہے۔ جب محبوب کے پاس جانے کا سوال ہو تو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا خیال اور اس کی خواہش ناجائز نہیں ہوتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک پیشگوئی میں اجتہادی غلطی کے ماتحت اس ارادہ کے ساتھ مکہ کی طرف گئے کہ عمرہ کریں گے۔ جب مکہ والوں کو علم ہوا تو انہوں نے آپ کو روکنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھانے اور یہ بتانے کے لیے کہ ہم محض عمرہ کے لیے آئے ہیں لڑنے اور اپنی فوقیت جتانے کے لیے نہیں آئے اور اس میں تمہارا کیا حرج ہے کہ ہم عمرہ کرلیں ایک سفیر اہلِ مکہ کی طرف بھیجنا چاہا۔ اس کے لیے مختلف صحابہؓ کے نام تجویز ہوئے۔ مگر سب کی رائے یہی تھی کہ حضرت عثمانؓ اس کام کے لیے موزوں ترین ہیں۔ ان کے خاندان کا رسوخ بھی زیادہ ہے۔ تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اس سفارت پر جانے کا حکم دیا۔ حضرت عثمانؓ گئے اور مکہ والوں سے بات چیت شروع کی۔ مکہ والوں نے کہا کہ اگر مسلمان عمرہ کر جائیں تو یہ ہماری ہتک ہے۔ لوگ کہیں گے کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور سے عمرہ کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو سمجھایا کہ اس میں تلوار کا کوئی سوال نہیں۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی عبادت کا سوال ہے اور ہم عبادت کے لیے آئے ہیں اور ہم یہ نہ کہیں گے کہ ہم نے زور سے عمرہ کیا بلکہ کہیں گے کہ مکہ والوں کا احسان ہے۔ مگر انہوں نے کہا کہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ بحث ہوتی رہی اور ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ دیر ہوگئی اور شام کا وقت ہوگیا۔ ادھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ حضرت عثمانؓ کی واپسی کے منتظر تھے۔ جب ان کے واپس آنے میں اتنی دیر ہوگئی تو آپؐ نے خیال کیا کہ شاید مکہ والوں نے، جو اخلاق کے تمام ضابطوں کو توڑ چکے ہیں عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اس بات کے لیے بڑا حسّاس تھا کہ جسے آپؐ کوئی کام سپرد کریں اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اپنی اس ذمہ واری کو سمجھتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا صدمہ ہوا کہ آپؐ ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے جو صحابہ آپؐ کے گرد بیٹھے تھے اُن سے آپؐ نے فرمایا کیا آج تم میرے ہاتھ پر ایک بیعت کے لیے تیار ہو؟ آؤ مَیں اور تم

آج ایک اقرار کریں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر مکہ سے یہ خبر آئی کہ اہلِ مکہ نے عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے تو مَیں اور تم یہ اقرار کریں کہ اب اس جگہ سے زندہ واپس نہ جائیں گے بغیر اس کے کہ یا تو دشمن کو شکست دے کر آئندہ کے لیے رستہ صاف کرلیں یا پھر یہیں مارے جائیں گے۔ کیا تم اس پر راضی ہو؟ صحابہؓ نے کہا یارسول اللہ! بڑی خوشی سے راضی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا پھر آؤ بیعت کرو۔[1]

آپؐ کے ارد گرد چند صحابہؓ اُس وقت بیٹھے تھے باقی اِدھر اُدھر تھے۔ کسی نے بلند آواز سے اُن کو بھی اطلاع دی اور جس جس کے کان میں یہ آواز پڑتی گئی وہ دوڑتا چلا آتا تھا اور بیعت کا اِس قدر زور تھا کہ صحابہؓ کہتے ہیں ہماری کیفیت یہ تھی کہ اگر خدا تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو تلوار سے ایک دوسرے کی گردن کاٹ کر بھی پہلے بیعت کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے دور دور تک نگاہ کی اور دیکھا کہ ان کے والد حضرت عمرؓ وہاں نہ تھے۔ ان کی بیٹا ہونے کی عصبیت ذاتی جوش پر غالب آگئی اور وہ دوڑ پڑے تا اپنے والد کو تلاش کرکے لائیں۔ آخر حضرت عمرؓ ان کو ایک جگہ مل گئے اور وہ ان کو لے آئے اور سب نے بیعت کی۔ وقت گزر گیا اور معلوم ہؤا کہ حضرت عثمان کی شہادت کا خیال صحیح نہ تھا۔ انہیں گفتگو میں دیر ہوگئی تھی۔ اہل مکہ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ آئے ہوئے ہیں آپ چاہیں تو عمرہ کرلیں۔ مگر آپ نے کہا کہ وہ عمرہ جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا ہے میرے لیے حرام ہے۔ وہ وقت گزر گیا مگر اس بیعت کو صحابہ اپنے عظیم الشان کارناموں میں شمار کرتے تھے اور فخر کے ساتھ اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ کوئی کہتا مَیں نے پہلے بیعت کی اور کوئی کہتا فلاں کے بعد مَیں نے کی۔ کسی مجلس میں ایک دفعہ اِسی طرح ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اس مجلس میں تھے اور حضرت عمرؓ بھی۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ مَیں سب سے پہلے بیعت کرسکتا تھا مگر مَیں نے دیکھا کہ میرے والد اس مجلس میں نہ تھے۔ مَیں نے خیال کیا کہ وہ ثواب سے محروم نہ رہ جائیں اور اُن کی تلاش میں چلا گیا اور اس طرح مجھے دیر ہوگئی۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ بات سنی تو کہا خدا کی قسم! اگر مَیں تمہاری جگہ ہوتا تو پہلے خود بیعت کرتا اور تمہاری تلاش کے لیے نہ جاتا۔ تو بات یہی ہے کہ دینی امور میں خدا تعالیٰ کی قربت کا سوال

ہوتا ہے اس لیے قریبی سے قریبی اور عزیز سے عزیز سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرنا ناجائز نہیں۔ ناپسندیدہ اور قابلِ اعتراض بات نہیں۔ کوئی عورت نماز میں کمی نہیں کرتی اس خیال سے کہ اپنے خاوند سے ثواب میں آگے نہ بڑھ جائے اور کوئی خاوند اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس لیے کوتاہی نہیں کرتا کہ اس کی بیوی پیچھے نہ رہ جائے۔ کوئی بھائی بھائی اور کوئی باپ بیٹے اور کوئی بیٹا باپ سے آگے بڑھ جانے کے خوف سے نیکیوں میں کمی نہیں کرتا۔ بلکہ ہر شخص آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فَھُوَ یَقْضِی بِھَا وَیُعَلِّمُھَا[2] یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہ دو باتیں ہیں جن میں حسد کرنا جائز ہے۔ ان کے سوا کسی میں جائز نہیں۔ ان دو میں بے شک باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے، بھائی بھائی سے حسد کرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ باتیں روحانیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ دو کیا ہیں؟ ایک یہ کہ ایسے آدمی کی حالت کے متعلق کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے مال دیا اور اُسے اپنا مال اللہ تعالیٰ کے رستہ میں ہلاک کرنے کی توفیق دی گئی۔ اگر اس بات میں کوئی دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے تو یہ بالکل جائز ہے۔ دوسرے اس موقع پر جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو علم، حکمت اور تفقّہ عطا کیا ہو اور وہ اسے دنیا میں نافذ کرتا اور لوگوں کو دین سکھاتا ہے۔ یہی وہ دو چیزیں ہیں جن کا میں گزشتہ دو خطبوں میں جماعت سے مطالبہ کرچکا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی میری اس تحریک کی تصدیق فرماتے ہیں۔ مَیں نے مطالبہ کیا ہے کہ ایسے لوگ سامنے آئیں جو اپنے مال دین کے لیے وقف کریں اور ایسے نوجوان آگے آئیں جو دین کی اشاعت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کریں۔ تا انہیں علم سکھا کر دین کے کاموں پر لگایا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ دو باتیں ایسی ہیں جن میں حسد جائز ہے۔ خدا تعالیٰ یہ کسی سے ہرگز نہیں پوچھے گا کہ مَیں نے تجھے مال دیا تھا جو تُو خدا کی راہ میں خرچ کرنے لگا تھا کہ تیرے ماں باپ یا بیوی بچوں یا دوسرے رشتہ داروں نے ایسا کرنے سے تجھے روکا تو تُو رُکا کیوں نہیں؟ یا دین کو چند مخلص خدام کی ضرورت تھی تیرے دل میں خیال آیا کہ اپنی زندگی وقف کردوں مگر تیرے

ماں باپ اس کے خلاف تھے، وہ تجھے روکنا چاہتے تھے تو تُو رُکا کیوں نہیں۔ خدا تعالیٰ یہ سوال کسی سے نہ کرے گا۔ بلکہ کہے گا کہ اے شخص! میں نے تجھے مال دیا تھا تُو نے اسے خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کا ارادہ کیا مگر تیرے ماں باپ یا بیوی بچوں نے اسے روکا اور تیرے رستے میں کھڑے ہوگئے۔ پھر بھی تُو رُکا نہیں بلکہ میری راہ میں دے دیا۔ اب میری جنت تیرا مال ہے۔ جا اور اس پر قبضہ کرلے۔ وہ یہ نہیں کہے گا کہ دین کے لیے زندگی وقف کرنے کے لیے تجھ سے مطالبہ کیا گیا۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین پر آفت آئی ہوئی تھی، جب اسلام مددگاروں کے لیے چلّا رہا تھا تُو نے خیال کیا کہ اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کردے۔ مگر تیرے ماں باپ اور بیوی بچے اس کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ کیوں زندگی کو ضائع کرنے لگا ہے۔ تیرے ماں باپ جن کے احترام کا مَیں نے حکم دیا ہے، تیری بیوی جس کے ساتھ حُسنِ سلوک کا میں نے حکم دیا ہے تجھے روکتے تھے مگر تُو پھر بھی نہ رُکا۔ تُو نے ایسا کیوں کیا اور کیوں ان کی بات نہ مانی۔ بلکہ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے یہ کہے گا کہ جس وقت اسلام مصیبت میں تھا، جب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح مدد کے لیے پکار رہی تھی تُو آگے بڑھا کہ اسلام کی خدمت کرے۔ اُس وقت تیرے ماں باپ جنہوں نے تجھے پالا تھا اور پڑھایا تھا انہوں نے اپنی ان خدمتوں کا واسطہ دے کر تجھے روکنا چاہا مگر پھر بھی تُو نہ رُکا۔ اے شخص! تُو نے میری خاطر ماں باپ کو چھوڑ دیا، بیوی بچوں کی کوئی پروا نہ کی اور رشتہ داروں سے قطع تعلق سے نہ ڈرا۔ پس آج مَیں ہوں تیری ماں اور مَیں ہوں تیرا باپ۔ یہی وہ چیز ہے جس کے لیے مومن قربانی کرتا ہے۔ بائبل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ ان کی ماں مامتا سے بے قرار ہوکر ان کے پاس پہنچیں تو کسی نے اُس سے کہا دیکھ! تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے خبر دینے والے کو جواب میں کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی"۔ 3 پھر واقعہ صلیب سے قبل حضرت مسیح علیہ السلام کی دُور کی ماں اور اُس کی ماں کی بہن مریم، کلوپاس کی بیوی اور مریم مگدلینی کھڑی تھیں۔ حضرت مسیحؑ نے اپنی ماں اور اُس شاگرد کو جس سے محبت رکھتا تھا، پاس کھڑے دیکھ کر ماں سے کہا کہ اے عورت! دیکھ تیرا بیٹا یہ ہے۔ پھر شاگرد سے کہا دیکھ! تیری ماں یہ ہے اور

اُسی وقت وہ شاگرد اُسے اپنے گھر لے گیا"۔**4** گویا آپ نے ایک طرف تو یہ کہہ کر خدا تعالیٰ کا حق ادا کر دیا کہ میرے بھائی اور ماں میرا خدا ہے اور اِس خیال سے کہ ماں ہونے کی حیثیت سے اُس کا بھی حق ہے مَیں جب دین کی خاطر پھانسی پا کر اس کی گود کو خالی کر رہا ہوں اور اسے بے کس چھوڑ کر جا رہا ہوں تو اس کی دلجوئی کی صورت بھی پیدا کروں۔ اور پہلے جو کہا تھا کہ کون ہے میری ماں۔ اُس کا ازالہ اِس طرح کر دیا کہ اپنے شاگرد سے کہا کہ آج سے تُو اس کو اپنی ماں کی طرح سمجھنا۔ اور ماں سے کہا کہ مجھے اپنے اِس شاگرد پر اتنا اعتماد ہے کہ مَیں کہہ سکتا ہوں کہ مَیں جو حکم اسے دوں گا اسے پورا کرے گا۔ پس آج سے تُو اِس کو اپنا بیٹا سمجھ کر جو حکم چاہے دے کہ یہ اُسی طرح تیری دلجوئی کرے گا جس طرح مَیں تیری دلجوئی کر سکتا تھا۔

تو اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے مومن کی جان اور مال ہمیشہ حاضر ہوتی ہے۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ کہاں سے حملہ کیا جائے گا یا کب اور کس صورت میں کیا جائے گا۔ لیکن ہمیں ہر وقت اس کے لیے تیار رہنا چاہے۔ کئی ہیں جو فوری جوش کے ماتحت تو قربانی کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیتے ہیں لیکن اگر سال دو سال کے بعد مانگا جائے تو پس و پیش کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ اِدھر ہمارا کارڈ پہنچے گا اور اُدھر سے مطالبہ آ جائے گا کہ لاؤ دے دو۔ ایسے لوگ جو فاصلہ کی لمبائی سے غافل ہوتے ہیں ہمیشہ موقع پر پیٹھ دکھانے والے ثابت ہوتے ہیں۔ پس مومن کو کبھی غافل نہ ہونا چاہیے اور جب بھی اُس سے قربانی کا مطالبہ کیا جائے خواہ وہ سال کے بعد ہو یا دس بیس سال کے بعد اُسے تیار ہونا چاہیے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کے انعامات کا وقت مقرر نہیں، اُس نے یہ نہیں کہا کہ مجھ سے آج مانگو گے تو دوں گا کل نہیں دوں گا اُس کی رحمت کے دروازے ہمیشہ کھُلے رہتے ہیں اِسی طرح مومن کو بھی ہر وقت قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کی رحمت کا انتظار اور عدمِ انتظار سے تعلق نہیں اُس کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے اِسی طرح بندہ کو قربانی کے لیے بھی ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ مومن اور مخلص وہی ہے جو دین کی راہ میں قربانی کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ دین کا نمائندہ اور ذمہ دار میں ہی ہوں وہ دوسروں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ اپنے آپ کو ہی سارے کام کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔ جب تک ہر شخص کے دل میں یہ بات راسخ نہیں ہو جاتی کہ

مَیں ہی اللہ تعالیٰ کا واحد ایجنٹ ہوں اِس دنیا میں، خیر و برکت دنیا میں قائم نہیں ہو سکتی۔ نہ مذہب ترقی کر سکتا ہے اور نہ مذہب کے ماننے والے روحانیت حاصل کر سکتے ہیں۔ میں نے جلسہ سالانہ کی تقریر میں کہا تھا کہ اگر روحانیت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تم میں سے ہر شخص محمدؐ بننے کی کوشش کرے۔ جب تک یہ کوشش نہ کی جائے، جب تک ہر شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا نمائندہ نہ سمجھے، جب تک ہر شخص یہ نہ سمجھے کہ کوئی کرے یا نہ کرے مَیں نے اپنا فرض ضرور ادا کرنا ہے اور میرا فرض ہے کہ مَیں دین کا کام کروں اُس وقت تک وہ مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ مومن اِس بات کا محتاج نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ کوئی جتھا ہو، اس کا کوئی مددگار اور سہارا دینے والا ہو۔ وہ اپنی قربانی پیش کر دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ باقی خدا تعالیٰ کا کام ہے وہ جو چاہے کرے۔ وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ میری قربانی کوئی کام نہیں آسکتی اور اس سے کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

تاریخِ اسلام کی ان باتوں میں سے جو مجھے بہت پیاری لگتی ہیں ایک بات ایک ہسپانوی جرنیل کی ہے جن کا نام غالباً عبد العزیز تھا۔ جب سپین میں مسلمانوں کی طاقت اِتنی کمزور ہو گئی کہ اُن کے ہاتھ میں صرف ایک قلعہ رہ گیا جو آخری قلعہ تھا تو عیسائیوں نے ان کے سامنے بعض شرائط پیش کیں اور کہا کہ اگر بچنا چاہتے ہو تو ان کو مان لو۔ وہ شرائط ایسی تھیں کہ جنہیں مان کر اسلام سپین میں عزت کے ساتھ نہ رہ سکتا تھا۔ بادشاہِ وقت ان شرائط کو ماننے کے لیے تیار ہو گیا۔ دوسرے جرنیل بھی تیار تھے۔ مگر یہ جرنیل کھڑا ہوا اور کہا کہ اے لوگو! کیا کرتے ہو؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ عیسائی اپنے وعدوں کو پورا کریں گے؟ ہمارے باپ دادا نے سپین میں اسلام کا بیج بویا تھا اب تم لوگ اپنے ہاتھوں سے اس درخت کو گرانے لگے ہو!! ان لوگوں نے کہا کہ سوائے اِس کے ہو کیا سکتا ہے۔ دشمن سے کامیاب مقابلہ کی صورت ہے ہی کیا۔ اس جرنیل نے کہا یہ سوال نہیں کہ دشمن کے کامیاب مقابلہ کی صورت کیا ہے۔ نہ ہمیں اس کے سوچنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنا فرض ادا کرنا چاہیے اور ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ مر جائے مگر ان شرائط کو تسلیم نہ کرے۔ اس طرح یہ ذلت تو نہ اٹھانی پڑے گی کہ اپنے ہاتھ سے حکومت دشمن کو دے دیں۔ جو کچھ تمہارے اختیار کی بات ہے وہ کر دو اور باقی خدا تعالیٰ

پر چھوڑ دو۔ یہ بات سُن کر وہ لوگ ہنسے اور کہا کہ اِس قربانی کا کیا فائدہ؟ اور سب نے انکار کیا۔ مگر اس نے کہا کہ اگر تم اس بے غیرتی کو پسند کرتے ہو تو کرو مَیں تو اپنے ہاتھ سے اسلامی جھنڈا دشمن کے حوالہ نہ کروں گا۔ قریباً ایک لاکھ کا لشکر تھا جو قلعہ کے باہر جمع تھا۔ وہ اکیلا ہی تلوار لے کر باہر نکلا، دشمن پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ بے شک اس کی شہادت کے باوجود سپین میں مسلمانوں کی حکومت تو قائم نہ رہ سکی مگر اُس کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ رہ گیا اور موت اُسے مٹا نہ سکی۔ وہ بادشاہ اور جرنیل جنہوں نے اُس کے مشورہ کو تسلیم نہ کیا اور اپنی جانیں بچانی چاہیں وہ مٹ گئے۔ اُن کا ذکر پڑھ کر اور سن کر ہم اپنے نفسوں کو بڑے زور سے اُن پر لعنت کرنے سے روکتے ہیں۔ لیکن کبھی سپین کے حالات کا مَیں مطالعہ نہیں کرتا یا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ باتیں میرے ذہن میں آئی ہوں اور اس جرنیل کے لیے دعائیں نہ نکلتی ہوں۔ اس کے خون کے قطرے آج بھی سپین کی وادیوں میں ہم کو آوازیں دیتے ہیں کہ آؤ! اور میرے خون کا انتقام لو۔ بے شک وہ بہادر جرنیل مر گیا۔ مگر مرنا ہے کیا؟ کیا یوں لوگ نہیں مرتے؟ کیا وہ بادشاہ اور جرنیل جو دشمن سے نہ لڑے، مر نہ گئے؟ وہ بھی ضرور مر گئے لیکن اُن کے لیے ہمارے دلوں سے لعنت نکلتی ہے اور اِس جرنیل کے لیے دعائیں۔ آج بھی اس کی کشش ہمیں سپین کی طرف بُلا رہی ہے اور اگر مسلمانوں کی غیرت قائم رہی اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت سے ظاہر ہوتا ہے نہ صرف قائم رہے گی بلکہ ترقی کرے گی اور پہلے سے بھی بڑھ کر ظاہر ہو گی۔ تو وہ دن دور نہیں جب اس جرنیل کے خون کے قطروں کی پکار، اس کی جنگلوں میں چلّانے والی روح اپنی کشش دکھائے گی اور سچے مسلمان پھر سپین پہنچیں گے اور وہاں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیں گے۔ اُس کی روح آج بھی ہمیں بلا رہی ہے اور ہماری روحیں بھی یہ پکار رہی ہیں کہ اے شہیدِ وفا! تم اکیلے نہیں ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے سچے خادم منتظر ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی وہ پروانوں کی طرح اس ملک میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نور کو وہاں پھیلائیں گے۔ یہ سوال نہیں کہ ہم امن پسند جماعت ہیں۔ مخالف امن پسندوں پر بھی تلوار کھینچ کر اُن کو مقابلہ کی اجازت دِلوا دیا کرتے ہیں۔ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امن پسند نہ تھے مگر

مخالفین کے ظلموں کی وجہ سے آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو مقابلہ کی اجازت دے دی۔ جیسا کہ فرمایا اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّھُمۡ ظُلِمُوۡا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِھِمۡ لَقَدِیۡرُ ۝[5] جن لوگوں کو خوامخواہ نشانۂ مظالم بنایا گیا ہے اب اُن کو بھی اجازت ہے کہ مقابلہ کریں۔ پس سپین کے لوگ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یوں مقدر ہے تو ہماری تبلیغ و تعلیم سے ہی کفر و شرک کو چھوڑ دیں گے۔ اور یا پھر ہم پر اتنا ظلم کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقابلہ کی اجازت ہو جائے گی اور وہ جنہوں نے کان پکڑ کر مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکالا تھا، کان پکڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ حضور کے غلام حاضر ہیں اور اس اکیلے لڑنے والے کی روح ناکام نہیں رہے گی۔ پس کبھی یہ خیال نہ کرو کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ یہ منافقوں والی بات ہے جنہوں کہا تھا کہ لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعۡنٰکُمۡ[6] یعنی اگر ہم کو پتہ ہوتا کہ یہ قتال ہے تو ہم ضرور ساتھ چلتے۔ مگر یہ قتال نہیں بلکہ خودکشی ہے اس لیے ساتھ نہ گئے۔ پس خودکشی ہو یا کچھ، ہمارا فرض ہے کہ اسلام کی فتح کے لیے مال اور جان کی قربانی کے لیے کھڑے ہوں۔ دوسروں کی طرف نہ دیکھیں بلکہ اپنا فرض ادا کریں۔ جو ایسا کرے گا آئندہ نسلیں اُس پر درود بھیجیں گی۔ لیکن جو غداری کرے گا اور پیٹھ دکھائے گا اللہ تعالیٰ اُس پر رحم کرے۔ لاکھوں کروڑوں صالحین کی لعنتیں اُس پر پڑتی رہیں گی"۔(الفضل 6 مئی 1944ء)

1: تاریخ طبری جلد ثانی صفحہ 631، 632۔ زیر عنوان ذکر الخبر عن عمرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الّتی صدّہ المشرکون فیھا عن البیت و ھی قصۃ الحدیبیۃ۔ مطبوعہ مصر 1961ء

2: بخاری کِتَاب الْعِلْمِ، بَاب الِا غْتِبَاطِ فِی الْعِلْمِ وَالْحِکْمَۃِ

3: متی باب 12 آیت 46 تا 49

4: یوحنا باب 19 آیت 25 تا 27

5: الحج: 40

6: آل عمران: 168